تحریک خلافت اور مولانا ظفر علی خان

ڈاکٹر سبحان اللہ / پروفیسر ڈاکٹر سلمان علی

Abstract:

Nationalsim and territorial expansion were real cones behind the world war first (ww1) acquire.Indians cooperation in the war,the British pledged with Indian muslims in keeping the sanctity of the Holy places and transfering the power to indians in general. British succeeded in declaring the war, as political against turkey.But the muslim community of india opposed this cooperation from the outset.in collaboration with other muslim leaders Maulana Zafar Ali khan come to the forefront .At the end of ww1 and disparting of turkey,Khilafat movement began owing to the unfaithfulness of the British,through the daily Zameendar,Maulana Zafar Ali khan start pen-struggle to aware masses from his view point.He wrote prose works and composed several poems.paying price for such an awarness,he had to go behind the bars as well.But he was not prepared to sell out his words and pen at any cost,for he believed in khilafat e usmania as the heirloom and doctrine of the Holy Prophey(SAW).

جولائی ۱۹۱۴ء میں پہلی جنگ عظیم کا آغاز ہوا۔ ابتدا میں تو صرف آسٹریا اور سربیا آپس میں برسر پیکار رہے لیکن رفتہ رفتہ آگ کے انشعلوں نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا. جنگ کی وجہ تو بظاہر وہ واقعہ سمجھا جاتا ہے جب آسٹریا کے شہزادے "آرکیڈوک فرڈینینڈ" کو ۲۸ جون ۱۹۱۴ء کو سربیا کے انتہا پسندوں نے مار ڈالا، اور شہزادے کا انتقام لینے کے لیے آسٹریا نے سربیا پر حملہ کر دیا، لیکن دراصل اس جنگ کے پس منظر میں اقوام یورپ کی وہ قوم

پرستانہ اور انتہا پسندانہ جذبات کارفرما تھے جن کیوجہ سے دنیا کے طاقتور ممالک (جرمنی ،فرانس،روس،آسٹریا، اٹلی، برطانیہ، ترکی)وغیرہ خود کو دوسروں سے برتر واعلیٰ ثابت کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔اس مقصد کے لیے مذکورہ اقوام اپنی عسکری طاقت بڑھا رہے تھے۔ حریف کے مقابلے میں خود کو مضبوط کرنے کے لیے خفیہ معاہدے کر رہے تھے۔اس کے علاوہ یہی طاقتیں دنیا کو اپنیطاقت دکھانے اور اپنی برتری ثابت کرنے کے لیے اپنے سے کمزور ممالک کیزمینوں اورآبادکاریوں میں دخل اندازی کر کے اپنی کالونیاں بنانے کی تگ و دو میں مصروف تھیں۔اس کھینچا تانی اور زور آزمائی کی دوڑ میں جرمنی نے آسٹریا کو سربیا کے خلاف اُکسایا۔ دوسری طرف روس نے اپنے حریف آسٹریا کی مخالفت میں سربیا کا ساتھ دے کر آسٹریا کے خلاف اعلان جنگ کیا۔فرانس نے بھی سربیااور روس کا ساتھ دیا۔ جرمنی نے آسٹریا کے حلیف ہونے کے ناتے فرانس تک پہنچنے کے لیے بلغاریہ پر حملہ کردیا۔ برطانیہ کو جرمنی کا یہ عمل ناگوار گزرااور جرمنی کے خلاف جنگ کا اعلان کردیا۔ ترکی جو اُس وقت ایک بڑی اسلامی طاقت مانی جاتی تھی، جرمنی کا ساتھ دینے جنگ میں شامل ہوگئی۔

ہندوستان چوں کہ اُس وقت برطانوی استعمار کے قبضے میں تھا لہٰذا برطانوی حکومت نے ہندوستان کو بھی اس آگ میں دھکیلنے کی منصوبہ بندی شروع کی۔ مسئلہ یہ درپیش تھا کہ ہندوستانی مسلمان تو ترکی خلافت کے ساتھ مذہبی رشتے میں بندھے ہوئے تھے اس لیے وہ کسی بھی صورت ترکی کے خلاف بندوق اُٹھانے پر راضی نہیں تھے۔اپنے مقصد کے حصول کے لیے برطانوی وزیراعظم "لائیڈ جارج" نے ہندوستانیوں کے ساتھ وعدے کیے کہ یہ ایک سیاسی جنگ ہے اور مذہب کے ساتھ اس کا دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔آپ کے مذہب کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔آپ کے مقدس مقامات کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا اور نہ خلافت کو ختم کیا جائے گا۔اس مغالطے میں پڑنے کے بعد ہندوستانیوں کو جنگ میں ساتھ دینے پر راضی کیا گیا۔ قاضی محمد عدیل عباسی ۱۹۱۴ء میں اس سرکاری اعلان کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "ہندوستان کے مسلمانوں کو یقین کر لینا چاہیے کہ ہم یا ہمارے اتحادی اس جنگ میں کوئی ایسی بات نہ کریں گے جس سے ان کے مذہبی جذبات کو ٹھیس لگے۔..............ہم صرف ترکی وزراء سے لڑ رہے ہیں جو جرمنی کے زیر اثر کام کر رہے ہیں نہ کہ خلیفۃ المسلمین سے۔"(۱)

حکومت برطانیہ کی طرف مذکورہ وعدوں اور اعلانات کیروشنی میں کانگرس نے مدراس میں اجلاس بلایا جس میں ایک قرارداد کی منظوری کے بعد برطانیہ کا ساتھ دینے کا اعلان کردیا گیا۔ برطانیہ کا ساتھ دینے کے لیے ہنگامی

بھرتی ہوئی اور ہندوستان کے نوجوان جرمنی اور اس کے حلیف ترکی کے خلاف جنگ کے لیے روانہ کیے گئے۔ ان حالات میں ہندوستانیوں میں دو قسم گروہوں نے جنم لیا۔ قوم پرستوں اور اعتدال پسندوں نے برطانیہ کا ساتھ دینے کی حمایت کی۔ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو کسی صورت میں بھی خلافت پر حرف آنے کے لیے تیار نہیں تھے اس لیے انہوں نے برطانیہ کا ساتھ دینے کی سخت مخالفتکی۔ مذکورہ لوگوں میں ڈاکٹر انصاری، حسین احمد مدنی، مولانا محمود الحسن، اور عبید اللہ سندھی اور مولانا ظفر علی خان قابل ذکر ہیں۔

دو کروڑ کے قریب انسان جب جنگ کی نذر ہوگئے تو نومبر ۱۹۱۸ء میں عارضی صلح پر جنگ بند کر دی گئی۔ جون ۱۹۱۹ء کو صلح یعنی معاہدہ "وارسائی" کی شکل میں جرمنی کو بھاری پیمانے پر تاوان جنگ دینا پڑا جو دراصل جرمنی کو معاشی طور پر ختم کرنے کا منصوبہ تھا تاکہ دوبارہ سر اُٹھانے کے قابل نہ رہے۔ ہندوستانیمسلمان جو استعماری قوتوں کے اِرادوں اور افعال سے بخوبی آگاہ ہوچکے تھے اور اس نتیجے پر پہنچ چکے تھے کہشکست کے بعد ترکخلافتکی بھی خیر نہیں۔ کیوں کہ حکومت کی سرمہری اور اسلام دُشمنی اُن پر تقسیم بنگال، تنسیخبنگال، مسجد کانپور کا قضیہ، رولٹ ایکٹ جیسے سفاک قانون اور جلیانوالہ کے قتل وغارت کی شکل میں واضح ہوچکی تھی۔ اُن کو یقین تھا کہ برطانوی حکومت یعنی "جارج پنجم" کبھی بھی اپنے وعدے پورے نہیں کریں گے۔ ایسے میں مسلمانوں کو خلافت کی فکر لاحق ہوئی۔ خلافت کے ساتھ مقدس مقامات کی حفاظت کے لیے سوچ وبچار شروع ہوئی۔ بدقسمتی سے مسلمانوں کے سرکردہ رہنما مثلاً ابوالکلام آزاد، علی برداران، عبید اللہ سندھی، محمود الحسن اور مولانا ظفر علی خان وغیرہ یا تو جیل میں تھے یا نظر بندی کی صعوبیبیں برداشت کر رہے تھے۔ تاہم رہے سہے چند مسلمان خلافت کا روگ لے کر جمع ہوئے جن میں سیٹھ چھوٹانی، ابراھیم محضر اور مولانا، فضل الحق، خیر آبادی شامل تھے۔ انھوں نے ایک کمیٹی بنائی جو بعد میں "خلافت کمیٹی" کے نام سے مشہور ہوئی۔ ڈاکٹر تاراچند کے مطابق ستمبر ۱۹۱۹ کو لکھنؤ میں ایک اجلاس کی صدارت ابراھیم محضر نے کی، جس میں (آل انڈیا خلافت کمیٹی) بنائی گئی۔ اس کے صدر بمبئی سے سیٹھ چھوٹانی اور شوکت علی (نظر بندی سے رہائی کے بعد) اس کے سیکرٹری قرار دیئے گئے۔(۲) "خلافت کمیٹی" کے قیام کے حوالے سے مولانا ظفر علی خان نے ''مرکزی خلافت کمیٹی'' کے عنوان سے ایک نظم بھی لکھی ہے جو ہندوستانیوں کیخلافت تحریک سے وابستہ جذبات پر مبنی ہے۔ نظم میں "سیٹھ چھوٹانی" صدرِ کمیٹی اور "سیٹھ حاجی صدیق" معتمد کمیٹی کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔

ساحلِ ہندوستاں پر کچھ غلامانِ رسول
خاک ناموسِ عتبۂ ایوان سُلطانی ہوئے

بن گئے مخدوم ملت خدمت اسلام سے

اس میں سیٹھ احمد ہوئے یا سیٹھ چھوٹانی ہوئے (۳)

خلافت کمیٹی کا پہلا اجلاس ۲۳ نومبر ۱۹۱۹ء کو بلایا گیا جس کی صدارت کے فرائض "فضل الحق" نے انجام دیئے۔ اجلاس میں گاندھی جی کو بھی دعوت دی گئی جنھوں نے دعوت کو قبول کرتے ہوئے اجلاس میں شرکت کی۔ اُن کے علاوہ پنڈت مدن موھن مالویہ اور موتی لال نہرو نے بھی اجلاس میں شرکت کی۔ اجلاس میں با قاعدہ طور پر گانگرس رہنماوں کا شکریہ ادا کیا گیا اور یہ قرارداد پاس کی گئی کہ اگر اتحادی طاقتوں نے ترکی خلافت کے حوالے سے مسلمانوں کی مرضی و منشا کے خلاف فیصلہ سُنایا تو اس کا مکمل بائیکاٹ اور اس کے خلاف احتجاج کیا جائے گا۔ ابتدا میں گاندھی جی نے بائیکاٹ کی مخالفت کی جس پر حسرت موہانی اپنے دلائل سے سب کو قائل کر لیا۔ آخر کار اتفاق رائے سے بائیکاٹ کی قرارداد پاس کی گئی۔ اجلاس میں متفقہ طور پر گاندھی جی کو کمیٹی کا صدر بنایا گیا۔

مولانا ظفر علی خان اُس وقت کرم آباد میں نظر بند تھے تاہم جیسے ہی دسمبر ۱۹۱۹ء میں نظر بندی سے رہا ہوئے۔ خلافت کمیٹی میں شامل ہو گئے اور " خلافت کمیٹی پنجاب" کے سیکرٹری بن گئے۔ اُس وقت "خلافت کمیٹی پنجاب" کے صدر مولانا عبد القادر قصوری تھے۔

فروری ۱۹۲۰ء کو مرکزی خلافت کمیٹی نے ایک اجلاس بلایا جس میں ایک وفد تشکیل دیا گیا اور اسے مولانا محمد علی کی سربراہی میں برطانیہ روانہ کر دیا گیا۔ وفد ۲۷ فروری کو انگلستان پہنچ گیا۔ وفد نے وزیر اعظم "جارج پنجم" سے ملاقات سے پہلے ،۱۹۱۹ء کو وزیر ہند "مانٹیگو" سے ملنے کی کوشش کی لیکن اُن کی بہ وجہ بیماری وزیر ہند کی ذمہ داریاں '' فشر '' کو سونپ دی گئی تھیں۔ جس نے وفد سے ملاقات تو کی لیکن کوئی خوش آئند بات سامنے نہیں آئی۔ اس کے بعد جب وفد نے برطانوی فرمان روا "لارڈ جارج" سے ملاقات کی تو اُس نے وفد کے مطالبات پر نہایت مایوس کن رائے دی اور مطالبات ماننے سے انکار کر دیا۔ ہندوستانیوں نے حکومت برطانیہ کے انکار پر، ۱۹ مارچ ۱۹۲۰ء یوم سوگ منایا۔ ہندوستانیوں کا مذکورہ وفد ابھی ہندوستان واپس بھی نہیں پہنچا تھا کہ اتحادیوں نے ۱۰ اگست ۱۹۲۰ء کو ایک معاہدے کا اعلان کر دیا جو تاریخ میں '' معاہدہ سیورے '' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

"معاہدہ سیورے" میں جو نکات شامل تھے اُن سے یہی ظاہر ہو رہا تھا کہ اتحادی ترکی خلافت کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے درپے ہیں۔ اس معاہدے کی شرائط کے مطابق ترکی کو عرب سے بھی دست بردار ہونے کا کہا گیا جہاں مسلمانوں کے مقامات مقدسہ واقعہ ہیں۔ "معاہدے سیورے" کی خبروں نے پوری اسلامی دنیا کو متاثر

کیا۔ مولانا ظفر علی خان نے اس معاہدے پر ایک طویل نظم (عہد نامہ سیورے) کے عنوان سے لکھی جس میں خلافت کے بچاؤ میں مسلمانوں کی ناکامی کا منظر نامہ پیش کیا گیا ہے:

قدیم وضع پہ اندازئہ جہاں نہ رہا
مکیں رہے مگر اُن کا کہیں مکاں نہ رہا
زمین پاؤں تلے سے نکلتی جاتی ہے
سروں پہ سایہ فگن تھا جو آسماں نہ رہا
ہوا اک ایسی یکایک چلی زمانے میں
کہ جِس کے ہم تھے عنادل وہ گلستاں نہ رہا
بچا حرم بھی نہ صید افگنوں کے ہاتھوں سے
سلامت ایک بھی طائر کا آشیاں نہ رہا
زوالِ دولتِ عثمانیہ پہ خوش نہ کیوں ہو رقیب
کہ اک حجاب جو حائل تھا درمیاں نہ رہا(۴)

مطالبات ماننے سے انکار اور برطانوی حکومت کی وعدہ خلافی پر "خلافت کمیٹی" نے جلوس نکالے، ترک موالات، عدم تعاون اور سول نافرمانی کے حکم نامے جاری کر کے حکومت سے باغیانہ رویہ اختیار کیا اور خلافت کے حق میں "تحریک خلافت" کے نام سے ایک پُرزور تحریک شروع ہوئی۔ نتیجے میں دوسرے رہنماوں کے ساتھ مولانا ظفر علی خان کو بھی پابند سلاسل کر دیا گیا۔ صحافتی حوالے سے مولانا ظفر علی خان نے اپنے اخبار "زمیندار" کو خلافت کے بچاؤ میں انگریز دُشمنی اور بعد میں ہندو دشمنی کے لیے وقف کیا۔ شاعری میں ۲۷ نظمیں اور بیسوں متفرق اشعار "تحریک خلافت" اور اس سے وابستہ منظر نامے پر لکھے۔ ان کے علاوہ وہ تحریریں الگ ہیں جو ہنگامی صورت حال کی وجہ سے امتدادِ زمانہ کی نذر ہو چکی ہیں۔

ستمبر ۱۹۲۰ء کو کلکتہ میں خلافت کمیٹی اور انڈین نیشنل کانگرس کا ایک اجلاس بلایا گیا۔ جس میں سول نافرمانی، ترک موالات اور عدم تعاونکے ساتھ سودیشی مال سے بائیکاٹ پر زور دیا گیا۔ لوگوں نے حکومت کو ٹیکس دینے سے انکار کیا۔ طلباء کو سرکاری یونیورسٹیوں، کالجوں اور سکولوں کو جانے سے منع کیا گیا۔ سرکاری خطابات کو واپس کرنے کا حکم دیا گیا۔ سرکاری ملازمتوں کو حرام قرار دیا گیا۔ ملک میں ہر جگہ ہڑتالیں شروع ہوئیں۔ جمعیت

العلمائے ہند نے بھی مکتبہ دیوبند کا ہم خیال بن کر تحریک خلافت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ مولانا محمود الحسن کی سربراہی میں جمعیت العلماء ہند نے ترک موالات کی حمایت میں ایک فتویٰ تیار کیا جس پر " ۹۰۰" علماء نے دستخط کیے۔

اس دور میں ہندوستان "پرنس آف ویلز" کو آنا تھا لہٰذا تحریک خلافت کے رہنماؤں نے اس کے خیر مقدم سے بائیکاٹ کرنے کی بھی ایک زوردار تحریک چلائی۔ اسی سلسلے میں ۱۴اگست ۱۹۲۰ کو مولانا ظفر علی خان نے حضرو (اٹک) کے مقام پر ایک پُرجوش تقریر کی جس میں مارشل لا اور رولٹ ایکٹ سمیت "پرنس" کے خیر مقدم سے بائیکاٹ میں لوگوں کو تحریک میں شمولیت کی دعوت دی۔ اصل تقریر تو موجود نہیں لیکن محقق اشرف عطا نے اپنے الفاظ میں تقریر کا مرکزی خیال کچھ اس طرح بیان کیا ہے کہ ہم مسلمانوں نے خود مکہ معظمہ کو آگ لگائی۔ چند پیسوں کے عوض مقدس مقامات عیسائیوں کے حوالہ کیے۔ اگر برطانوی حکومت چاہتی ہے کہ پرنس کی خیر مقدم کیا جائے تو ساتھ اُسے تحریک خلافت میں مداخلت سے باز آئے۔ مقاماتِ مقدسہ کو واپس کیے جائیں۔ کالا قانون منسوخ کیا جائے۔ مسلمانوں کے ساتھ جو وعدے کیے گئے اُنھیں پورا کیا جائے۔ ورنہ حکومت کی خیر نہیں۔ ہم معاہدہ ترکی کو کاغذ کا ٹکڑا سمجھتے ہیں۔ موجودہ تناظر میں مسلمانوں پر ہجرت فرض ہے۔ کیوں کہ ہندوستان دارالحرب ہے یہاں مذہبی آزادی سلب کی گئی ہے۔(۵) مولانا اٹک کے مقام پر تقریر کے بعد کلکتہ سے مری کی طرف روانہ ہوئے۔ جب لاہور ریلوے سٹیشن پر پہنچے تو ''قانون تحفظ ہند'' کے تحت اُن کو گرفتار کر لیا گیا۔ اٹک (حضرو) میں تقریر کرنے کی پاداش میں اُن کے خلاف مقدمہ درج کیا گیا۔ نتیجے میں ۲۷۔ اکتوبر، کو "تعزیرات ہند" کے دفعات نمبر "۱۲۴۔الف" اور "دفعات نمبر ۱۵۳" کے تحت دو سزائیں "۵ سال قید بامشقت، جرمانہ ایک ۱۰۰۰ روپے" اور "۲سال قید بامشقت" سنائی گئی تاہم سزائیں دونوں ایک وقت سے شروع ہونے کا حکم سنایا گیا۔

تحریک خلافت زور و شور کے ساتھ جاری تھی کہ "یوپی" ریاست میں "چوراچوری" کے مقام پر ایک پولیس تھانے کو انتہا پسندوں نے ۵ فروری ۱۹۲۲ء کو آگ لگادی جس میں چند سپاہی جل کر ہلاک ہوگئے۔ گاندھی جی جو "ستیہ گرہ" یعنی عدم تشدد کے حامی تھے یہ خبر سُن کر انتہائی رنجیدہ ہوئے اور غم سے برت رکھ کر تحریک ختم کرنے کا اعلان کیا۔ یہ اعلان ہندو مسلم اتحاد و یکجہتی کے لیے ایک اہم موڑ ثابت ہوا کیوں کہ ایک طرف تو ایک کامیاب تحریک کا بغیر کسی نتیجے کا خاتمہ ہوا اور دوسری اہم بات یہ کہ ہندو مسلم اس کے بعد کبھی اس شکل میں اکھٹے نہیں ہوئے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ تحریک خلافت ایسی قوم کے لیے چلائی گئی جو خود خلافت کے حق میں نہیں تھی۔ کیوں کہ ترکوں نے ۱۹۲۴ء میں خود سیکولر سٹیٹ کا اعلان کر دیا۔ اس کے علاوہ ترکی کی بڑی غلطی جرمنی کا ساتھ دینا اور جنگ میں حصہ لینا تھا۔ اس سے بہتر تو یہ تھا کہ وہ خود اپنی سرحدات کی حفاظت کرتی اور خطے میں مسلمان بھائیوں کے لیے آواز اُٹھاتی۔ لیکن خلیفۂ وقت کے ایک غلط فیصلے کے باوجود بھی پوری دنیا کے مسلمانوں نے ترکی کا ساتھ دیا اور اُن کے حق میں ایک بھرپور تحریک چلائی۔ دوسری طرف آزمائش کی صورت تب بن گئی کہ خلافت ترکیہ سے دلی لگاؤ رکھنے کے باوجود برطانوی حکومت ہندوستانیوں کو جنگ میں ساتھ دینے کی فرمائش کر رہی تھی۔ یہاں تک کہ سیاسی چال کے ذریعے ہندوستانیوں کو آئینی اصلاحات اور دوسرے جھوٹے وعدوں پر ٹرخاتی رہی اور جنگ میں ساتھ دینے پر راضی کرتی رہی۔ لیکن جب جرمنی کی شکست ہوئی تو حکومت اپنے وعدوں سے مکر گئی اور ہندوستانیوں کو صلے میں رولٹ ایکٹ جیسے کالے قانون، مارشل لا اور جلیانوالہ کے قتل عام سے نواز گیا۔ ایسے میں ردعمل کے طور پر ہندوستانیوں کا سڑکوں پر نکل آنا کوئی تعجبکی بات نہیں۔ مولانا ظفر علی خان نے اپنی ایک نظم میں انگریزوں کی جفاکاریوں اور ہندوستانیوں کی وفاداریوں کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچا ہے:

ڈیڑھ سو سال کی وفاداریوں کا صلہ
ہو کسی طرح مجھ سے خوش انگریز
میری کوشش یہ انتہائی تھی
میں نے اپنے غرور کی گردن
اس کی دہلیز پر جھکائی تھی
میں جو حاکم تھا خود بنا محکوم
یہ بھی اک شان کبریائی تھی
اُس کے قدموں میں ڈال دی لا کر
باپ دادا کی جو کمائی تھی
اُس کی خاطر نہ کی جو اپنوں سے
کونسی ایسی وہ برائی تھی
آج میں ہوں اور اُس کی ٹھوکر ہے
کہ اسی تک میری رسائی تھی(٦)

نظم "ہندوستان کے مسلمانوں کا گناہ" میں بھی اہلیان ہند کے ساتھ انگریز کے رویے کے اسباب بیان کیے ہیں کہ آخر کیوں اہل فرنگ مسلمانوں کی خلافت کے پیچھے لگ کر اُن کے جان و مال کے دُشمن بن چکے ہیں:

میری خطا یہ ہے کہ نہ کیوں میں نے کر دیا
سنگِ وفا سے شیشہء ایماں کو پاش پاس
میرا قصور یہ ہے کہ اُن کی گلی میں کیوں
گاڑی نہ میں نے دینِ رسولِ خدا کی لاش (۷)

خلافت ترکیہ کے حوالے سے مولانا ظفر علی خان کا موقف نہایت واضح تھا۔ وہ ترکی خلافت کو اسلامی طاقت کی علامت، سرچشمہ اور مسلمانوں کا تشخص و پہچان سمجھتے تھے۔ جس کی حفاظت مسلمانوں کا سیاسی مسئلہ نہیں مذہبی فریضہ ہے۔ وہ اس نظریے کے پیروکاروں کے سخت مخالف تھے جو تحریک خلافت کو بیرونی مسئلہ اور پرائی جنگ تصور کرتے تھے۔ اگر اسلامی تناظر میں دیکھا جائے تو اُن کا خیال صحیح بھی تھا کیوں کہ ایک مسلمان کی حیثیت سے مقاماتِ مقدسہ کی حفاظت تو جان و مال پر مقدم ہونی چاہیے۔ مولانا تو ہر سیاسی و مذہبی پلیٹ فارم پر یہ اظہار کرتے رہے کہ میں پہلے مسلمان ہوں اس کے بعد ہندوستانی۔ اس طرح وہ مکہ کو پہلا مدینہ کو دوسرا جبکہ ہندوستان کو تیسرا گھر تصور کرتے تھے۔ اب ظاہری بات ہے کہ جس کے گھر کوئی حملہ کرے تو اس کا ردعمل کیا ہوگا۔ خلافت کے حوالے سے وہ ایک تقریر میں کہتے ہیں:

> "دینی اور دنیوی سلطنت کی جو مسند جناب رسالتمآبؐ الیوم اکملت لکم دینکم کا آسمانی پیغام سنا کر خالی فرما گئے تھے وہ خلفائے راشدین کے بعد بنی اُمیہ کو ملی، اور اُمیوں کے بعد عباسیوں کے حصے میں آئی، دولت عباسیہ کے انتزاع کے بعد (توتی الملک من تشاء) کے فوائے یزدانی کے لحاظ سے ۱۵۱۵ء میں ترکان آل عثمان کو اس پر جلال مسند پر بیٹھنے کا شرف عطا کیا گیا۔)" (۸)

مولانا ترک خلافت کے خلیفہ کو پیغمبر آخر زمان کے وارث و جان نشین تصور کرتے تھے۔ اُن کے مطابق خلیفہ اللہ تعالیٰ کے نازل شُدہ اُصول قوانین کے نفاذ اور عملی شکل دینے کے لیے تحت نشین تھے۔ اس لیے اُن کے خیال میں مسلمانوں پر فرض تھا کہ وہ خلیفہ وقت اور خلافت دونوں کو لادینی قوتوں کی دست کشی اور چیرہ دستیوں سے بچانے کے لیے جان و مال کی قربانی دیں۔ مولانا کے نزدیک خلیفہ پر جان دینا وارث پیغمبر ہونے کے ناطے، پیغمبر پر جان دینے کے مصداق تھا:

رسول اللہؐ پر قربان ہو جا
خود اپنے درد کا درمان ہو جا
حریف دولتِ افرنگ بن کر
حلیفِ دولتِ عثمان ہو جا
غلامی کر محمد مصطفیٰؐ کی
گدائی چھوڑ دے سلطان ہو جا (۹)

جھکا دو حق کے آگے گردنیں ابنائے باطل کے
نبیؐ کی آن بن جاؤ خدا کی شان بن جاؤ
تمھاری ہڈیاں اینٹیں ہو جس کی اور لہو گارا نہ
نہ جس کو ڈھا سکے دُنیا وہی بنیان ہو جاؤ (۱۰)

مولانا ظفر علی خان یورپ کی خلافت مخالف پالیسیوں کو اسلام دُشمنی اور مسلمان دُشمنی سمجھتے تھے۔اس لیے اُن کی پالیسیوں کو رد کرتے تھے۔ خلافت کے خلاف جنگ وہ اسلام کے خلاف جنگ تصور کرتے تھے۔اس حوالے سے اُن کا خیال تھا کہ یورپ کی استعماری طاقتیں اسلام اور مسلمان کے خاتمے کے اس مہم میں کبھی بھی کامیاب نہیں ہو سکتیں۔ مسلمان ایک بار پھر اپنے کھوئے ہوئے وقار کو حاصل کر لیں گے۔اس لیے جب وہ ترکی کے غازی مصطفی کمال پاشا سے نااُمید ہوئے تو افغانستان کے بادشاہ غازی امان اللہ کو امیر سمجھتے رہے۔وہ سمجھتے تھے کہ یہ محکوم و مغلوب مسلمان ایک بار پھر غازی امان اللہ جیسے غازیوں کی سر براہی میں توحید کا نعرہ بلند کر کے سُرخرو ہو جائیں گے۔اس لیے وہ اپنی شاعری میں بار بار اہل فرنگ کو متنبہ کرتے ہیں کہ اہل اسلام سے دُشمنی باندھ کر آپ لوگوں نے بڑی غلطی کی۔ خلافت کی بنیادیں کوئی نہیں اکھاڑ سکتا۔ ہند سے ایک بار پھر اس کا جھنڈا بلند ہو گا۔ مثال کے طور پر یہ اشعار ملاحظہ ہو:

نئی اک قبا کو سلاتے ہوئے
خلافت کی بنیاد اکھیڑو گے تم
تو اچھی طرح سے سمجھ لو یہ بات
خود اپنے ہی بخیئے ادھیڑو گے تم (۱۱)

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا
میں گرچہ ناتواں ہوں مگر بارِ کائنات
میرے سوا کسی سے اُٹھایا نہ جائے گا
اقصائے ہند میں علم حق ہوا بلند
یہ پرچم اب کسی سے گرایا نہ جائے گا (۱۲)

پروفیسر ڈاکٹر سہیل کے مطابق اُن کی نظموں میں خلافت کے خاتمے کے خلاف شدید قسم کا احتجاج ملتا ہے۔انھیں اس تحریک کے ذریعے ایک روشنی پھیلتی دکھائی دیتی ہے جو ترکوں کی جدوجہد سے پھوٹ کر پوری دنیا کے مسلمانوں کو غلبے اور طاغوتی قوتوں کو مغلوب ہونے کے خواب دکھائی دیتی ہے۔(۱۳)مسلمانوں کے باہمی نفاق ،ناچاقی وغداری اور نااتفاقی کی وجہ سے مولانا ظفر علی خان کے خواب پورے نہیں ہوئے۔تحریک خلافت ناکام ہوئی اور استعماری طاقتیں اپنی کوششوں میں کامیاب ہو گئیں۔اُن کے اشاروں پر مرد بیمار "ترکی" کے اپنے بغاوت کرنے لگے۔عرب میں شریف مکہ (شریف حسین) نے بغاوت کا علم بلند کیا۔جس کے لیے "معاہدہ سیورے" قانونی جواز ثابت ہوا۔عرب پر شریف حسین جسے وہ مولانا بے شرف کہہ کر پکارتے تھے قبضے کی خبر سُن کر وہ نہایت رنجیدہ ہو گئے۔اُن کا خیال تھا کہ خانہ کعبہ جسے ابراہیمؑ نے ایک بار بتوں کا صفایا کر کے کفر و شرک سے پاک کر دیا تھا ایک بار پھر شیطانی طاقتوں کے ہاتھوں میں چلا گیا۔

مصر و ایراں کے تمدن کا فسانہ رہ گیا
اُڑ گئے طائر اجڑ کر آشیانہ رہ گیا
آ چلا افسوس عباسی خلافت میں زوال
اب نہ وہ اگلی سی سطوت ہے نہ پہلا سا جلال (۱۳)

کعبہ خدا کے گھر سے صنم خانہ بن گیا
اس بتکدہ میں مجھ سے تو جایا نہ جائے گا (۱۵)

حوالہ جات:

(۱) قاضی محمد عدیل عباسی، تحریک خلافت، نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو، ۱۹۷۸ء، ص: ۶۷۔۶۸

(۲) ڈاکٹر تاراچند، تاریخ تحریک آزادی ہند، مترجم قاضی محمد عدیل عباسی، نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو، طبع اول، ۱۹۸۰، جلد سوم، ص: ۶۰۰

(۳) مولانا ظفر علی خان، کلیات، لاہور: مولانا ظفر علی خان ٹرسٹ، ۱۹۱۱ء، ص: ۱۷۶

(۴) مولانا ظفر علی خان، کلیات، ص: ۳۳-۳۲

(۵) مولانا ظفر علی خان، بحوالہ، اشرف عطا، لاہور: مولانا ظفر علی خان ٹرسٹ، جون ۲۰۱۱ء، ص: ۵۶

(۶) مولانا ظفر علی خان، کلیات، بہارستان، ص: ۴۹۵

(۷) ایضاً، ص: ۲۷۲

(۸) مولانا ظفر علی خان، بحوالہ، ڈاکٹر نظیر حسنین زیدی، ظفر علی خان، احوال و آثار، لاہور: مجلس ترقی ادب، جون ۱۹۸۴ء، ص: ۱۲۰

(۹) مولانا ظفر علی خان، کلیات، بہارستان، ص: ۹۴

(۱۰) ایضاً، ص: ۱۲

(۱۱) ایضاً، ص: ۱۲

(۱۲) ایضاً، ص: ۱۲

(۱۳) ڈاکٹر سہیل احمد، پی۔ایچ۔ڈی مقالہ، جدید اردو نظم میں مغربی استعمار کے خلاف مزاحمت، غیر مطبوعہ، ص: ۳۸۱

(۱۴) مولانا ظفر علی خان، کلیات، نگارستان، ص: ۲۰

(۱۵) مولانا ظفر علی خان، کلیات، بہارستان، ص: ۹۸

کتابیات:

- اشرف عطا، مولانا ظفر علی خان ٹرسٹ لاہور، جون ۲۰۱۱ء
- تارا چند، ڈاکٹر، تاریخ تحریک آزادی ہند، جلد سوم (مترجم قاضی محمد عدیل عباسی) قومی کونسل برائے فروغ اردو، نئی دہلی، طبع اول، ۱۹۸۰ء
- قاضی محمد عدیل عباسی، تحریک خلافت، قومی کونسل برائے فروغ اردو، ۱۹۷۸ء، نئی دہلی
- مولانا ظفر علی خان، کلیات، بہارستان، مولانا ظفر علی خان ٹرسٹ لاہور، ۱۹۱۱ء
- نظیر حسنین زیدی، ڈاکٹر، ظفر علی خان، احوال و آثار، مجلس ترقی ادب لاہور، جون ۱۹۸۴ء